عقل مند مچھیرا

اور

دوسرے ڈرامے

م ۔ ندیم

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی ۔ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1976
چوتھی طباعت	:	2011
تعداد	:	2100
قیمت	:	-/13 روپئے
سلسلۂ مطبوعات	:	717

Aqalmand Machhera

Edited By

M. Nadeem

ISBN : 978-81-7587-699-6

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
فون نمبر: 26109746، فیکس: 26108159
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز-II، نئی دہلی-110020
اس کتاب کی چھپائی میں (70GSM, TNPL Maplitho(Top کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

1- عقل مند مچھیرا 7

2- چور 12

3- اُستاد اور شاگرد 18

4- گدھے کی حجامت 24

5- سچا دوست 29

6- دوُر کا دوست 36

7- سخی حاتم 42

عقل مند مچھیرا

کردار بادشاہ سلامت، وزیر اعظم، داروغہ، مچھیرا، دربان اور سپاہی۔

(پردہ اُٹھتا ہے۔ بادشاہ کا محل، بادشاہ کرسی پر بیٹھا ہے۔)

وزیر داخل ہوتا ہے کورنش بجا لاتا ہے۔

بادشاہ سلامت:۔ وزیر اعظم! دعوت کا سارا انتظام ٹھیک ہے نا؟

وزیر اعظم:۔ جہاں پناہ! سب ٹھیک ہے۔ دعوت کے لیے البتہ مچھلی نہیں مل سکی، دو دن سے سمندر میں سخت طوفان آیا ہوا ہے، ایک بھی مچھلی نہیں پکڑی جا سکی۔

بادشاہ سلامت:۔ (افسوس کے لہجے میں) یعنی شاہی دعوت اور بغیر مچھلی کے! لوگ کیا کہیں گے؟ سوچیے تو، جس دعوت میں مچھلی نہ ہو بھلا وہ بھی کوئی دعوت ہے! کچھ نہ کچھ انتظام ضرور ہونا چاہیے۔ مچھلی ضرور ملنی چاہیے۔

وزیر اعظم:۔ عالم پناہ! میں نے چاروں طرف سپاہیوں کو بھیجا ہے اور اعلان بھی کرا دیا ہے

کہ جو بھی شاہی دعوت کے لیے اچھی اور تازہ مچھلی لائے گا، منہ مانگا انعام پائے گا۔
مگر ابھی تک کوئی نہیں آیا۔

بادشاہ سلامت:- کیا ساری مچھلیاں سمندر کی تہ میں چھپ گئی ہیں؟ کیا مچھلیوں کو معلوم ہوگیا ہے
کہ مابدولت کے محل میں دعوت ہونے والی ہے، جس میں انھیں لقمہ بنایا
جائے گا؟

وزیرِاعظم:- ہوسکتا ہے، جہاں پناہ کا خیال درست ہو۔ انسان بعض باتوں میں مچھلیوں
سے پیچھے ہے مثلاً مچھلیاں انسانوں سے اچھا تیرنا جانتی ہیں۔

بادشاہ سلامت:- افسوس کہ بادشاہ ہوکر بھی میں مجبور ہوں اور مچھلیاں حاصل نہیں کرسکتا۔
بغیر مچھلی کے دعوت بھی کوئی دعوت ہوتی ہے!

وزیرِاعظم:- حضور پریشان نہ ہوں، میں ایک بار پھر کوشش کرتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ
مچھلیاں ضرور مل جائیں گی۔

(داروغہ داخل ہوتا ہے۔ کورنش بجالاتا ہے)

داروغہ:- عالم پناہ! ایک مچھیرا تازہ مچھلیاں لے کر حاضر ہوا ہے۔ کیا اُسے حضور کی
خدمت میں پیش کیا جائے؟

بادشاہ سلامت:- (خوش ہوکر) ضرور۔ ضرور۔ اِس مچھیرے کو فوراً حاضر کیا جائے۔
واہ وا! اگر یہ مچھیرے نہ ہوتے تو بادشاہ کے دسترخوان تک مچھلیاں
کیسے پہنچ پاتیں!

وزیرِاعظم:- عالم پناہ درست فرماتے ہیں۔ مچھیرے بہت محنتی ہوتے ہیں۔ سمندر کے
اندر سے مچھلیاں پکڑ کر لاتے ہیں۔

(مچھیرا داخل ہوتا ہے۔ اُس کے سر پر ٹوکری ہے۔ اُس کے ساتھ داروغہ

•

بھی ہے۔ مچھیرا ٹوکری اُتار کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیتا ہے، جُھکتا ہے،
زمین کو چُومتا ہے، اور پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے)

بادشاہ سلامت۔ (مچھلیاں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں) واہ! واہ! وا میاں مچھیرے تم بڑی
اچھی مچھلیاں لائے ہو۔ ہم بدولت بہت خوش ہوئے۔ تم کو منہ مانگا انعام
ملے گا۔ بولو کیا مانگتے ہو؟

مچھیرا۔ اَن داتا! اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔

بادشاہ سلامت۔ میاں مچھیرے ضرور۔ ضرور۔ تم جو کچھ مانگو گے ملے گا۔ ہم جو کہتے ہیں اُس کو
کرتے بھی ہیں۔

مچھیرا۔ اَن داتا.... مجھے صرف سَو کوڑے چاہئیں۔

بادشاہ سلامت۔ ارے۔ یہ کیا! میاں مچھیرے! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا؟

وزیرِ اعظم۔ عالم پناہ! معلوم ہوتا ہے آپ کے رُعب اور ڈر کے مارے بے چارے
کی عقل گُم ہو گئی ہے۔

مچھیرا۔ اَن داتا! میری جان آپ کے قُربان۔ میری عقل اپنی جگہ پر ہے۔ مجھے
صرف سَو کوڑے چاہئیں۔ اور کچھ نہیں چاہیے۔ آپ نے کہا تھا
آپ جو کچھ کہتے ہیں، اُس کو پورا کرتے ہیں۔ تو اَن داتا میری پیٹھ پر سَو
کوڑے لگانے کا حُکم دیجیے۔

(بادشاہ سلامت وزیر کے کان میں کہتے ہیں:۔ "یہ تو عجیب آدمی ہے۔
بہرحال ہمیں اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔ جلّاد کو بُلوائیے لیکن اسے تاکید
کر دیجیے کہ کوڑے اس طرح لگائے کہ مچھیرے کے بدن پر چوٹ نہ لگے")

وزیرِاعظم:۔ (داروغہ کو اشارے سے بلاتے ہیں اور اُس کے کان میں کچھ کہتے ہیں۔ داروغہ چلا جاتا ہے اور تھوڑی دیر بعد جلّاد کے ساتھ واپس آجاتا ہے۔ جلّاد کے ہاتھ میں چمڑے کا کوڑا ہے۔ جلّاد زمین چومتا ہے)

بادشاہ سلامت:۔ اس مچھیرے کی پیٹھ پر سَو کوڑے لگائے جائیں۔

(جلّاد مچھیرے کی پیٹھ پر دھیرے دھیرے کوڑے لگاتا ہے اور گنتا جاتا ہے۔ ایکؔ۔ دوؔ۔ تینؔ.... دسؔ۔ بیسؔ۔ تیسؔ۔ چالیسؔ۔ پچاسؔ)

مچھیرا:۔ (جلّاد سے) بھیّا جلّاد! ذرا ٹھہر جاؤ۔ میرا ایک ساتھی اور بھی ہے۔ باقی پچاس کوڑے اُس کے حصّے کے ہیں۔

بادشاہ سلامت:۔ (مُسکراتے ہوئے) اچھا کیا اس دنیا میں تم جیسا کوئی دوسرا بیوقوف بھی ہے۔ کون ہے وہ؟ ہمارے حضور میں لایا جائے تاکہ اُس کا حصّہ بھی جلد دے دیا جائے۔

مچھیرا:۔ اَن داتا، وہ آپ کے محل کا دَربان ہے۔

بادشاہ سلامت:۔ (حیرت سے) میرے محل کا دَربان! ہائیں۔ وہ کیسے؟

مچھیرا:۔ اَن داتا! بات دراصل یہ ہے کہ دَربان مجھے اندر نہیں آنے دیتا تھا۔ جب اُس نے مجھ سے وعدہ لے لیا کہ جو بھی مچھلیوں کی قیمت مجھے ملے گی۔ اُس میں سے آدھا اُس کا حصّہ ہوگا....

بادشاہ سلامت:۔ دَربان کو فوراً حاضر کیا جائے۔

(چند سپاہی دَربان کو پکڑ کر لاتے ہیں۔ دَربان ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہا ہے)

بادشاہ سلامت:۔ اس رِشوت خور دَربان کی پیٹھ پر پچاس کوڑے لگائے جائیں اور

اس کو فوراً نوکری سے نکال دیا جائے۔

(پھیرے سے مخاطب ہو کر) میاں پھیرے! ہم بدولت تمہاری عقلمندی سے بہت خوش ہوئے۔ وزیرِ اعظم! میاں پھیرے کو اشرفیوں کی تھیلی انعام میں دی جائے۔

(پھیرا زمین چومتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

چور

کردار

افضل میاں ——— ادھیڑ عمر کا رحمدل آدمی

فضلو ——— افضل میاں کا نوکر

چور

کوتوال اور سپاہی

پہلا منظر

ایک مکان کا کمرہ، ادھیڑ عمر کے ایک صاحب اخبار پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے چھوٹی سی ڈاڑھی ہے، آنکھوں پر چشمہ لگائے ہوئے ہیں۔ قریب ہی اُگالدان رکھا ہے۔

(فضلو داخل ہوتا ہے)

فضلو:- سرکار! ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مسافر ہیں اور پریشان حال معلوم ہوتے ہیں۔

افضل میاں:- اُن کو اندر بلا لاؤ۔

(مسافر اندر آتا ہے۔ وہ جوان آدمی ہے۔ بغل میں ایک پوٹلی ہے۔ معمولی کپڑے پہنے ہوئے ہے اور ننگے پیر ہے۔

مسافر:- آداب۔

افضل میاں:- آداب۔ آیئے! آیئے۔ تشریف رکھیے۔ آپ کی تعریف؟

مسافر:- کیا بتاؤں جناب بس یوں سمجھیے کہ مصیبت کا مارا ہوں۔ ریل میں سفر کر رہا تھا کہ کسی نے جیب کاٹ لی۔ دو دن سے بھوکا ہوں۔ کسی سے اپنا حال کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔

افضل میاں:- آپ بالکل فکر نہ کریں۔ اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھیں۔ یہاں سب انتظام ہو جائے گا۔

مسافر:- میں آپ کا کس منہ سے شکریہ ادا کروں۔ آپ نے بڑی مہربانی فرمائی ....

افضل میاں:- نہیں میاں۔ یہ تو میرا فرض ہے۔

(فضلو کو مخاطب کر کے) دیکھو میاں فضلو! ان کے لیے کھانا لاؤ۔

فضلو:- ابھی لاتا ہوں سرکار۔

افضل میاں:- (مسافر سے) آپ کھانا کھائیں۔ اور یہ برابر والا جو کمرہ ہے، اس میں آرام کریں۔ جب تک آپ کا جی چاہے یہاں رہیں۔ سفر خرچ کا میں انتظام کر دوں گا ..... اچھا تو اب آپ جائیں کھانا کھائیں، اور آرام کریں۔ سردی بھی ہے۔ آپ سے اب صبح ملاقات ہوگی ....

(مُسافر، فضلُو کے ساتھ چلا جاتا ہے)

دوسرا منظر

(صبح کا وقت ہے۔ اَفضل میاں اخبار پڑھ رہے ہیں۔ فَضلُو داخل ہوتا ہے)

فَضلُو:۔ آپ بھی خوب آدمی ہیں۔ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو اپنی طرح نیک اور شریف آدمی سمجھتے ہیں۔

اَفضل میاں:۔ کیا ہوا فضلُو میاں؟

فَضلُو:۔ ہوا کیا؟ وہ پریشان حال مُسافر چور نکلا اور آپ کے چاندی کے برتن لے کر چمپت ہو گیا۔

اَفضل میاں:۔ (اطمینان سے حُقہ کا کش لگا کر) مجھے یقین ہے وہ بے چارہ چور نہیں تھا۔ ضرورت مند تھا۔ کبھی کبھی ضرورت بھی آدمی کو چور بنا دیتی ہے۔

فَضلُو:۔ وہ چاندی کے برتن آپ کے خاندان کی نشانی تھے، تبرکات تھے۔ آپ کو فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہیے۔

اَفضل میاں:۔ چاندی کے برتنوں کے لیے! مگر وہ تو فالتو تھے۔ بس دیکھنے بھر کے تھے۔ کام میں تو آتے نہ تھے۔ اچھا ہوا جو وہ لے گیا۔ اُس غریب کا بھلا ہو جائے گا۔

فَضلُو:۔ واہ میاں واہ! فالتو کی آپ نے ایک ہی کہی۔ یعنی فالتو چیزوں کی چوری آپ کے خیال میں جرم نہیں ہے اور لوگ جو روپیہ پیسہ جمع کر کے رکھتے ہیں اُس کے حقدار چور ہیں۔

اَفضل میاں:۔ (ہنستے ہوئے) میرے خیال میں اگر مالدار لوگ اپنی دولت کو چھپا کر نہ رکھیں بلکہ اُسکو انسانوں کی بھلائی پر خرچ کریں تو پھر نہ چور رہیں اور نہ ہی چوری ہو۔

فَضلُو:۔ آپ کو چوروں سے بڑی ہمدردی ہے۔

افضل میاں:- آخر وہ بے چارے بھی تو انسان ہیں۔ مجھے یہ فکر ہے کہ رات سردی بہت تھی وہ بے چارا اگر دن میں چلا جاتا تو اچھا ہوتا۔ کہیں اسے نمونیا نہ ہو جائے۔

فضلو:- ھوں! آپ بھی کیا باتیں کرتے ہیں۔ چوروں کو نہ سردی لگتی ہے اور نہ نمونیا ہوتا ہے۔ چوروں کے ساتھ ہمدردی کرنا بالکل حماقت ہے ....توبہ! لاحول ولا.... میں احمق .... یعنی حضور میں کہہ رہا تھا کہ آپ بہت رحمدل انسان ہیں۔

افضل میاں:- اچھا میاں۔ ختم کرو یہ قصہ۔ جو اُس کی قسمت کا تھا سو لے گیا۔

فضلو:- میں اب آئندہ کسی کو گھسنے ہی نہ دوں گا۔ نہ جانے کہاں سے آجاتے ہیں اٹھائی گیرے! چور اُچکے۔

افضل میاں:- نہیں بھئی! ایسا نہ کرنا۔ جب بھی کوئی مُسافر یا پردیسی آئے اُس کی خاطر تواضع ضرور کرنا۔ یہ میرا حکم ہے۔ سمجھے!

فضلو:- (بے دلی سے) سمجھ گیا حضور۔ آپ آدمی نہیں فرشتہ ہیں۔

(کوتوال اور سپاہی داخل ہوتے ہیں۔ رات والا مسافر بھی ان کے ساتھ ہے۔ اُس کے سر پر گٹھری ہے اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہیں۔)

کوتوال:- افضل میاں! لیجیے آپ کا مال چور سمیت حاضر ہے۔ آپ بہت خوش قسمت انسان ہیں ورنہ بھلا چوری گیا مال اور پنجرے سے اُڑا ہوا پنچھی کہیں ہاتھ آتا ہے؟

افضل میاں:- کیسی چوری؟ کیسا مال؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ کوتوال صاحب؟

کوتوال:- (گٹھری سے برتن نکال کر) یہ دیکھیے کیا یہ آپ کے برتن نہیں ہیں؟

افضل میاں:- (برتن اُٹھا کر دیکھتے ہیں) جی ہاں۔ یہ میرے ہی ہیں میرے دادا قبلہ مرحوم کا نام بھی کھدا ہوا ہے۔

کوتوال:- یہ آدمی اقرار کرتا ہے کہ اس نے یہ برتن آپ کے گھر سے چوری کئے ہیں۔

افضل میاں :۔ (قہقہہ لگاتے ہیں) واہ کوتوال صاحب واہ! جس طرح آپ میرے دوست ہیں اسی طرح
یہ بھی میرا ایک دوست ہے۔ لیکن بیچارا ایک غریب دوست ہے۔ میں نے یہ برتن
اسے تحفے کے طور پر دیے ہیں۔

کوتوال :۔ مگر یہ تو کہتا ہے کہ چوری کیے ہیں۔

افضل میاں :۔ آپ کے ڈر سے اس نے جھوٹ بولا کہیں آپ اسے ماریں نا۔

کوتوال :۔ (سپاہیوں سے) ان کی ہتھکڑیاں کھول دو۔
بھئی افضل میاں، میں معافی چاہتا ہوں آپ کو خواہ مخواہ تکلیف ہوئی۔

افضل میاں :۔ نہیں کوتوال صاحب، تکلیف تو آپ کو اور سپاہیوں کو ہوئی۔ ویسے ایک
بات کا خیال رکھیے گا۔ آیندہ کسی بے گناہ کو چور نہ بنا دیجیے گا۔

کوتوال :۔ (ہنستے ہوئے) نہیں افضل صاحب۔ ہم لوگوں سے کم ہی غلطی ہوتی ہے۔ اچھا
اب اجازت چاہتا ہوں (سپاہی اور کوتوال چلے جاتے ہیں۔ چور سر جھکائے
کھڑا ہے)

افضل میاں :۔ بھائی معاف کرنا تم کو واقعی بہت تکلیف ہوئی۔ اب یہ سارے برتن تم
لے جا سکتے ہو۔ میں نے یہ سب تم کو تحفے میں دیے۔

چور :۔ (افضل میاں کے پیروں پر گر پڑتا ہے۔ روتا ہے) مجھے معاف کر دیجیے۔ میں
چور ہوں۔ مجھے کوئی بھی سزا چوری سے باز نہ رکھ سکی۔ لیکن آپ پہلے آدمی
ہیں کہ مجھے چور جانتے ہوئے بھی آپ مجھ سے محبت اور انسانیت کا
برتاؤ کر رہے ہیں۔

افضل میاں :۔ نہیں بھائی۔ تم کو میں چور نہیں سمجھتا۔ تم کو حالات نے چور بنا دیا ورنہ
سارے انسان اچھے ہوتے ہیں۔

چور :۔ میں آپ کے سامنے سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔ میں آج سے کبھی چوری

نہیں کروں گا اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ بھروں گا۔

افضل میاں: خدا تمہیں خوش رکھے اور تمہاری نیت میں پختگی دے۔ یہ سارا سامان اب تمہارا ہے۔ اسے بیچ کر کوئی دھندا کر لینا۔ جاؤ۔ خدا حافظ۔

(پردہ گرتا ہے)

★

اُستاد اور شاگرد

کردار

مولوی فیض اللہ ———— ریٹائرڈ ماسٹر

میاں فاضل ———— مولوی فیض اللہ کا شاگرد

اور

مولوی فیض اللہ کی بیوی....

پہلا منظر

(ایک کمرہ کا منظر۔ مولوی فیض اللہ جو چشمہ لگائے ہوئے ہیں ایک مونڈھے پر بیٹھے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں ایک خط ہے۔ چارپائی پر اُن کی بیوی بیٹھی ہوئی ہیں)

مولوی صاحب:۔ (خط پڑھتے ہیں) یہ میاں فاضل کا خط ہے۔ لکھا ہے آپ کی قدم بوسی کے لیے

تُمہ کو حاضر ہو رہا ہوں ۔۔۔۔ اور ہاں ۔۔۔۔ تم کو بھی سلام لکھا ہے۔

بیوی :۔ خدا خوش رکھے۔ ترقی دے۔ بڑا اچھا بچہ ہے اُس نے ہمیں یاد تو رکھا۔

مولوی صاحب :۔ ہاں یہ میرا بہت ہی ذہین شاگرد تھا۔ تم کو تو یاد ہوگا تم اسے فضلُو فضلُو کہا کرتی تھیں ۔۔۔۔

بیوی :۔ ہاں مجھے خوب یاد ہے۔ فضلُو کو مکّا کی روٹی اور گُڑ بہت اچھا لگتا تھا۔

مولوی صاحب :۔ وہ میرا بڑا ہی فرماں بردار شاگرد تھا۔ میری بہت عزّت کرتا تھا اور اسی کا فیض ہے کہ میاں فاضل لندن تک ہو آیا ہے۔

بیوی :۔ آج کل ایسے فرماں بردار شاگرد کہاں ہوتے ہیں ؟ سُنا ہے اب استاد مدرسوں میں شاگردوں کی نہ تو مار پیٹ کر سکتے ہیں اور نہ ڈرا دھمکا سکتے ہیں۔

مولوی صاحب :۔ اسی کا تو نتیجہ ہے کہ لڑکے پڑھ لکھ کر بھی جاہل رہتے ہیں۔ نہ بڑوں کا ادب اور نہ ان کا ڈر ـــــ

باادب بانصیب ، بے ادب بے نصیب۔

بیوی :۔ مگر فاضل تو اب بڑا افسر ہوگیا ہے۔ ہم اُس کی کیا خاطر کریں گے ؟ ۔۔۔۔ ہمارا گھر بھی چھوٹا اور کچا ہے ۔۔۔ کہاں ٹھہرائیں گے ؟

مولوی صاحب :۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے ؟ ارے بھئی ہم غریب آدمی ہیں تو کیا، جو دال دلیا ہوگا کھلا دیں گے۔ (ہنس کر) اور پھر وہ میرا شاگرد ہی تو ہے کوئی اسکول کا انسپکٹر تو ہے نہیں۔ اور اگر اب انسپکٹر بھی آئے تو ہمیں کاہے کا غم، ہم تو اب نوکر بھی نہیں، پنشن پاتے ہیں، پندرہ روپیہ ماہوار۔

بیوی :۔ بھلا میاں فاضل کو کتنی تنخواہ ملتی ہوگی ؟

مولوی صاحب:۔ پندرہ سو روپے۔

بیوی:۔ (حیرت سے) یعنی دس سو اور پانچ سو... کہاں پندرہ اور کہاں پندرہ سو؟

مولوی صاحب:۔ تم بھی علم کو روپے پیسوں میں تولتی ہو... ارے استاد تو ہر زمانے میں رُوکھی سوکھی کھاکر علم کی دولت بانٹتے آئے ہیں۔ مجھے تو بس اس بات کی خوشی ہے کہ میرا شاگرد خوب ترقی کر رہا ہے۔

بیوی:۔ مگر دنیا کب قدر کرتی ہے اِن باتوں کی۔

مولوی صاحب:۔ مگر سارے شاگرد اُستادوں کو نہیں بھول جاتے۔ اب میاں فاضل ہی کو دیکھو، پندرہ سال بعد بھی یاد رکھا۔ لکھتا ہے:

"استاد محترم! آپ کی تربیت اور محنت سے مجھے جو علم کی روشنی حاصل ہوئی ہے اس کے لیے آپ کا زندگی بھر مقروض رہوں گا۔ دُنیا کی ساری دولت بھی ایک استاد کی محنت کا قرض نہیں اُتار سکتی"

میرے لیے تو اُس کا یہی لکھنا میری محنت کا صلہ ہے۔

بیوی:۔ تو پرسوں ہی تو جمعہ ہے۔

مولوی صاحب:۔ ہاں میں میاں فاضل کو لینے اشٹیشن ضرور جاؤں گا۔

بیوی:۔ اور میں اس کے لیے اچھی اچھی چیزیں پکا رکھوں گی...

دوسرا منظر

(مولوی فیض اللہ کا مکان۔ مولوی صاحب کپڑے پہنے اشٹیشن جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔ ان کی بیوی پان بناکر دیتی ہیں)

مولوی صاحب:۔ تو اب میں چلتا ہوں۔ پہنچتے پہنچتے بھی دو گھنٹے تو لگیں ہی گے۔ کم بخت سڑک بھی خراب ہے اور میاں کے یکے بھی تو بابا آدم کے زمانے کے ہیں گھوڑے

مرلیاں ہیں دوڑتے کیا ہیں رینگتے ہیں۔

بیوی:۔ ہاں جلدی جاؤ کہیں گاڑی نہ نکل جائے اور بے چارہ فضلو پریشان ہو۔ اسٹیشن یہاں سے دور بھی تو ہے۔

مولوی صاحب:۔ (صافہ باندھتے ہوئے) ابھی گاڑی آنے میں کافی دیر ہے۔ میں انشاءاللہ وقت پر پہنچ جاؤں گا۔

بیوی:۔ آپ فوراً جائیں گاڑی کا انتظار نہ کریں۔ میں کہتی ہوں موئی ریل گاڑی آپ کے اسٹیشن پہنچنے کا انتظار نہیں کرے گی۔ اگر جلدی آگئی تو آپ کیا کرلیں گے؟

مولوی صاحب:۔ تم بھی جو بات کرتی ہو لاجواب کرتی ہو۔ ارے بھئی ریل گاڑی کے آنے کا جو وقت مقرر ہے اسی پر تو آئے گی۔ ریل گاڑی اور بیل گاڑی میں تمہارے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں!

بیوی:۔ اچھا بابا۔ میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر کبھی کدھار، بھولے بھٹکے جلدی آجائے تو بے چارہ فضلو پریشان ہوگا۔ اب تم جاؤ بھی۔

مولوی صاحب:۔ لو میں تیار ہوگیا.... لیکن تم میاں فاضل کے لئے کھیر پکانا مت بھولنا!

بیوی:۔ ہاں ہاں۔ مجھے سب یاد ہے۔ مکّا کی روٹی اور گڑ بھی .... جاؤ بھی۔

تیسرا منظر

(بیک گراؤنڈ میں ریل کی چھک چھک کی آواز .... ریل کی سیٹی، لوگوں کا شور۔ پان بیڑی سگرٹ، گرم چائے کی آوازیں)

سوٹ بوٹ والا ایک جوان آدمی لوگوں کی بھیڑ سے باہر نکلتا ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔

میاں فاضل:۔ ارے! عجیب اسٹیشن ہے، کہیں قلی ہی نہیں۔

قلی! قلی!

(مولوی صاحب اُس کی طرف آتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں .... فاضل ان کو نہیں پہچان پاتا ہے .. مزدور سمجھ کر کہتا ہے) ارے بڑے میاں ذرا یہ سامان اُٹھا کر تانگہ تک پہنچا دو۔

مولوی صاحب:۔ بہت اچھا۔ (وہ بیگ اور اٹیچی اٹھا لیتے ہیں آگے آگے میاں فاضل ہیں اور پیچھے پیچھے مولوی صاحب ہیں)۔

میاں فاضل:۔ بس بڑے میاں اسے یہیں رکھ دو۔ اور یہ لو چونّی اپنی مزدوری کی۔

مولوی صاحب:۔ رکھ لو میاں۔ مٹھائی کھا لینا۔

میاں فاضل:۔ کیا مطلب ؟

مولوی صاحب:۔ بات یہ ہے کہ میں قُلی نہیں ہوں میرا ایک شاگرد میاں فاضل آرہا تھا میں تو اُسکو لینے آیا تھا.... میرا نام فیض اللہ ہے۔

میاں فاضل:۔ آپ، آپ استاد محترم! (قدموں پر گر پڑتا ہے) مجھے معاف کر دیجیے ۔ میں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا .... میں ہی وہ بدبخت فاضل ہوں۔

مولوی صاحب:۔ (میاں فاضل کو اُٹھا کر سینہ سے لگاتے ہیں) اب تو تم ماشاء اللہ بہت بڑے آدمی ہو گئے ہو۔ اور پھر ہمارے مہمان ہو اگر میں نے تمہارا سامان اٹھا لیا تو کیا ہوا وہ یہ تو میرا فرض تھا۔

میاں فاضل:۔ نہیں میرے محترم اُستاد، میں بہت شرمندہ ہوں میں نے بڑی گستاخی کی آپ کی شان میں۔

مولوی صاحب:۔ تم میرے شاگرد ہو اور میں تمہارا استاد۔ ایک سبق ہمیشہ یاد رکھنا اور وہ یہ کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا چاہیے۔ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی بُرا نہیں ہوتا ....

میاں فاضل :۔ شکریہ استادِ محترم! میں یہ سبق نہ صرف یاد رکھوں گا بلکہ اِس پر عمل بھی کروں گا۔

مولوی صاحب :۔ خوش رہو! اچھا تو میاں اب چلو تانگے پر سوار ہولیں۔ تمہاری مولویانی نے تمہارے لیے کھیر اور مکّا کی روٹی تیار کی ہے۔ وہ انتظار کر رہی ہوں گی۔

(پردہ گرتا ہے)

★

گدھے کی حجامت

کِردار

ہارون رشید ——— بغداد کا بادشاہ

علی صیقل ——— ایک چالاک نائی

لکڑہارا ، سپاہی اور درباری وغیرہ

پہلا منظر

(پردہ اُٹھتا ہے۔ ہارون رشید تخت پر بیٹھے ہیں۔ دو خادم پنکھا جھل رہے ہیں۔ قطاروں میں درباری ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ لکڑہارا دو سپاہیوں کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ زمین کو چومتا ہے)

لکڑہارا: خدا خلیفہ کو سدا سلامت رکھے۔ ظلِ الٰہی مجھ پر ظلم ہوا ہے، میرے ساتھ انصاف

کیا جائے۔

ہارُون رشید:۔ تم کو جو شکایت ہے صاف صاف کہو۔ تمہارے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔
بتاؤ تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟

لکڑہارا:۔ حضور میں ایک غریب لکڑہارا ہوں۔ صبح سے شام تک جنگل میں، دھوپ اور گرمی میں مارا مارا پھرتا ہوں۔ لکڑیاں اکٹھا کرتا ہوں اور شہر میں لاکر بیچتا ہوں، اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ جس آدمی نے مجھ پر ظلم کیا ہے اس کا نام علی صیقل ہے۔ وہ شہر بغداد کا مشہور نائی ہے۔

ہارُون رشید:۔ کیا ظلم ہوا ہے تم پر؟

لکڑہارا:۔ حضور اُس کے ہاتھ میں اللہ نے ایسا کمال دیا ہے کہ وہ اپنے اُسترے سے لوگوں کے بال آنکھیں بند کرکے مونڈ سکتا ہے۔ کیا مجال کہ کہیں ایک خراش بھی آجائے۔ شہر کے چھوٹے بڑے سبھی اس کو جانتے ہیں۔ قاضی، مُفتی اور کوتوال سب اُس کے دوست ہیں۔

ہارُون رشید:۔ (مُسکراکر) اچھا تو بہت ہوشیار ہے وہ اپنے فن میں۔

لکڑہارا:۔ مگر حضور اس نے تو میری حجامت بغیر اُسترے کے ہی بنا دی۔ مجھے دھوکہ دیا۔ میری فریاد کسی نے نہیں سُنی.... قاضی شہر، مُفتی اور کوتوال سب کے پاس گیا۔ سب نے مجھے ہی قصوروار ٹھہرایا۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیں۔

ہارُون رشید:۔ تمہارے ساتھ ضرور انصاف ہوگا، مگر پہلے تم اپنی پوری بات تو بتاؤ۔

لکڑہارا:۔ بات یہ ہے کہ حضور، میں پچھلے جُمعہ کو اپنے گدھے پر لکڑیاں لادکر شہر میں بیچنے کو لایا۔ علی صیقل نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ گدھے پر لدی ہوئی لکڑیوں کی کیا قیمت لوگے؟ میں نے قیمت بتائی۔ تھوڑا سا مول تول ہوا اور سودا طے ہوگیا۔ میں نے لکڑیوں کا گٹھا اُتار کر اُس کی دوکان پر رکھ دیا۔ اس پر وہ چالاک

نائی بولا کہ ساری لکڑیوں کی قیمت طے ہوئی ہے اس میں گدھے کی کاٹھی بھی شامل ہے۔ وہ بھی لکڑی ہے۔ میرا اور اُس کا، اس بات پر جھگڑا ہوا۔ بہت سارے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ لیکن میری بات کسی نے نہ مانی۔ سب نے اسی کا ساتھ دیا۔ اُس نے میرے گدھے کی کاٹھی اُتروالی.... میں قاضی، مُفتی اور کوتوال کے پاس گیا۔ سب نے یہی کہا کہ علی صیقل نے ٹھیک ہی کیا ہے۔

ہارُون رشید:۔ (مُسکراتے ہوئے) میاں لکڑ ہارے ہمیں تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔ مگر علی صیقل کے خلاف مقدمہ نہیں بنتا۔ اُس نے گدھے پر رکھی ہوئی ساری لکڑیاں طے کی تھیں اس لیے اسے کاٹھی لینے کا حق تھا....

لکڑ ہارا:۔ مگر حضور.....!

ہارُون رشید:۔ تم گھبراؤ نہیں .... میرے قریب آؤ، تمہارے کان میں ایک راز کی بات کہنا چاہتا ہوں....

(لکڑ ہارا ہارُون رشید کے قریب جاتا ہے۔ ہارُون رشید اُس کے کان میں کچھ کہتا ہے۔ لکڑ ہارا خوش ہو جاتا ہے۔ زمین چُومتا ہے اور واپس ہو جاتا ہے۔)

دوسرا منظر

(ہارُون رشید تخت پر بیٹھا ہے۔ درباری ہاتھ باندھے قطاروں میں کھڑے ہیں۔ لکڑ ہارا داخل ہوتا ہے .... زمین چُومتا ہے)۔

لکڑ ہارا:۔ خلیفہ کی دُہائی ہے ... علی صیقل نے مجھ پر ظلم کیا، مجھے مارا۔

ہارُون رشید:۔ (مُسکرا کر) اچھا، اچھا... تمہارے ساتھ انصاف ہوگا... (حکم دیتا ہے) علی صیقل کو حاضر کیا جائے!

(تھوڑی دیر کے بعد علی صیقل حاضر ہوتا ہے)

علی صیقل:- (زمین چومتا ہے) حضور کا اقبال بلند ہو!

ہارون رشید:- میاں لکڑہارے! اب تم بیان کرو کیا معاملہ ہے؟

لکڑہارا:- حضور! آج میں علی صیقل کی دکان پر گیا اور میں نے پوچھا "میاں علی صیقل کیا تم میری اور میرے ساتھی کی حجامت بنادوگے؟" اس نے ہامی بھرلی اور کہا "لاؤ اپنے ساتھی کو میں اُس کی حجامت بنادوں گا" میں اپنے ساتھی گدھے کو لے گیا اور کہا لو بناؤ یہ رہا میرا ساتھی۔ اس پر علی صیقل نے مجھے بُرا بھلا کہا اور ملا۔

ہارون رشید:- علی صیقل! کیا یہ بات سچ ہے کہ تم نے میاں لکڑہارے کے ساتھی کی حجامت بنانے کی ہامی بھری تھی؟

علی صیقل:- حضور والا، یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ میں نے ہامی بھری تھی، لیکن آپ ہی انصاف فرمائیں کہ کیا آج تک کسی معقول آدمی نے کسی نامعقول گدھے کو اپنا ساتھی کہا ہے؟ اور اس کی حجامت بنوانے پر زور دیا ہے؟

ہارون رشید:- مگر یہ تو قول و قرار کی بات ہے۔ اگر آدمی اپنے قول سے پھر جایا کریں تو پھر اس دنیا میں کون کس کا اعتبار کرے گا؟ کیا تم نے یہ بھی سنا ہے کہ کسی معقول آدمی نے گدھے پر لدی ہوئی لکڑیوں کے ساتھ گدھے کی کاٹھی لینے پر بھی اصرار کیا ہے؟

علی صیقل:- مگر... مگر...!

ہارون رشید:- اگر مگر کچھ نہیں۔ تم نے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرنا ہی پڑے گا....

علی صیقل:- مگر حضور، میں نے آج تک کسی گدھے کی حجامت نہیں بنائی۔ میں سارے بغداد میں بدنام ہو جاؤں گا۔ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔

ہارون رشید:- (غصے سے) تم کو گدھے کی حجامت بنانا ہوگی۔ اب میاں لکڑہارے کی باری ہے۔ اگر تم گدھے کی حجامت نہیں بناتے ہو تو سخت سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔

علی صیقل:۔ (خوف سے کانپتا ہے) نہیں، نہیں، حضور میں گدھے کی حجامت ضرور بناؤں گا۔

ہارون رشید:۔ میاں ٹکڑ ہارے لاؤ اپنا گدھا... اور یہ لو اشرفیوں کی تھیلی۔ آج تم بہت دلچسپ مقدمہ لائے ہو۔

(علی صیقل گدھے کی حجامت بناتا ہے سارے درباری ہنستے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

★

سچّا دوست

کردار

رامو ——— ایک غریب آدمی

رادھے ——— رامو کا بچپن کا دوست اور اب راجا کا منتری

شیاما ——— رادھے کی بیوی

راموؔ کی بیوی، بچّے اور نوکر وغیرہ۔

پہلا منظر

(ایک ٹوٹا ہوا سا جھونپڑا ہے۔ دو تین برتن اِدھر اُدھر پڑے ہیں۔ رامو کی بیوی اور دو بچّے زمین پر اوڑھنی لپیٹے لیٹے ہیں)

ایک بچّہ:- ماں! مجھے بھوک لگی ہے۔

رامو کی بیوی۔ بیٹا سو جا۔ دیکھ رانی بھی سو گئی ہے۔

بچّہ۔ ماں! مجھے بھوک بہت لگی ہے۔ نیند نہیں آتی۔

رامو کی بیوی۔ سویرے تیرے لیے پوریاں بنا دوں گی۔ سو جا میرے لال۔

بچّہ۔ ماں تم تو ہر روز یونہی کہتی ہو۔ مجھے تو بھوک لگی ہے۔

رامو کی بیوی:۔ اچھا میں اچھی لال پری کی کہانی سناتی ہوں۔

بچّہ:۔ اگر لال پری اچھی ہے تو میرے لیے کھانا کیوں نہیں لاتی ؟ کھلونے اور کپڑے اور جوتے کیوں نہیں لاتی؟ وہ بالکل اچھی نہیں ہے ....

رامو:۔ اُف! کتنی سردی ہے۔ خالی پیٹ میں تو اور بھی ستاتی ہے۔

رامو کی بیوی:۔ ہم کو تو بھوکا پیاسا رہنے کی عادت ہو گئی ہے لیکن بچّوں کا بھوک سے بلکنا نہیں دیکھا جاتا....

رامو:۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) چار دن ہو گئے، کوئی کام ہی نہیں ملا۔ میری تو قسمت ہی خراب ہے۔

رامو کی بیوی۔ قسمت کو کیوں کوستے ہو؟ کوشش کرنے سے سب کام بن جاتے ہیں۔

رامو:۔ میں تو بیس سال سے کوشش اور محنت کر رہا ہوں لیکن نہ تو پیٹ بھرنے کو روٹی ملتی ہے اور نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا۔

رامو کی بیوی:۔ مگر بُرے دن سدا تو نہیں رہتے۔ ہمارے بھی کبھی اچھے دن آئیں گے۔

رامو:۔ ہاں۔ اچھے دنوں کے انتظار میں زندگی یونہی بیت جائے گی۔

رامو کی بیوی۔ تم نے ایک دن کہا تھا کہ تمہارا بچپن کا دوست رادھے اب راجا کا منتری ہو گیا ہے۔ اور وہ پاٹھ شالہ میں تمہارے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔

رامو۔ ہاں۔ وہ راجا کا منتری ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے منتری ہو جانے سے ہمیں کیا؟

رامو کی بیوی۔ مگر تم کہتے تھے کہ رادھے تمہارا بڑا ہی پیارا دوست تھا، اور تم سے بہت پیار کرتا تھا۔

رامو۔ ہاں یہ سب بھی سچ ہے لیکن تم کو اس وقت یہ سب باتیں کیوں یاد آرہی ہیں۔ کیا بیتی ہوئی باتیں یاد کرنے سے آدمی کا خالی پیٹ بھر سکتا ہے؟

رامو کی بیوی۔ میری مانو تو تم اُس کے پاس چلے جاؤ، شاید کچھ کام بن جائے۔

رامو:۔ تُم بھی کیسی باتیں کر رہی ہو؟ کہاں گنگوا تیلی اور کہاں راجا بھوج؟ بیس سال پہلے کی باتیں بھلا رادھے کو اب تک یاد بھی ہوں گی۔ وہ تو شاید مجھے پہچان بھی نہیں سکے گا۔

رامو کی بیوی:۔ کیوں نہ پہچان لے گا؟ بچپن کی باتیں اور بچپن کے ساتھی کو انسان ساری زندگی نہیں بھولتا۔

رامو:۔ اچھا مان لو اُس نے مجھے پہچان بھی لیا تو میں اُس کے آگے ہاتھ پھیلانے سے رہا۔ بھیک مانگنا مجھے نہیں آتا۔

رامو کی بیوی:۔ تُم بھیک مت مانگنا۔ ہاتھ مت پھیلانا۔ بس یہ کہنا کہ یونہی تُم سے ملاقات کرنے کو چلا آیا ہوں۔ اگر وہ تمہارا سچّا دوست ہوگا تو سب کچھ سمجھ جائے گا۔

رامو۔ اگر تم کہتی ہو تو میں چلا جاؤں گا۔ لیکن راجدھانی تک مجھے پیدل ہی جانا پڑے گا۔ ایک مہینہ کا راستہ ہے۔

رامو کی بیوی۔ بس تُم سو ترڑکے ہی چلے جاؤ۔ میں محنت مزدوری کر کے بچوّں کا پیٹ پال لوں گی۔

رامو:۔ اچھا! تو سویرے ترڑکے ہی مجھے اُٹھا دینا۔

دوسرا منظر

(رادھے منتری کے محل کا دروازہ۔ دو پہرے دار کھڑے ہیں۔ رامو آتا ہے۔ پھٹے پرانے

کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ ہاتھ میں ایک لاٹھی ہے، اور بغل میں ایک پوٹلی ہے)

پہرے دار:- کون ہو جی؟ یہاں کیوں آئے ہو؟ جانتے نہیں ہو یہ منتری جی کا محل ہے۔ سرائے نہیں ہے۔

رامو:- (ڈرتے ڈرتے) جی داروگا جی .... میں۔میں .... منتری جی کا دوست ہوں۔ اُن سے ملنے آیا ہوں۔

پہرے دار:- (دوسرے پہرے دار سے) بھیا سنتے ہو۔ یہ منتری جی کے دوست ہیں۔ جرا ان کی صورت دیکھنا۔

دوسرا پہرے دار:- کب سے دوستی ہے منتری جی سے تمہاری؟

رامو:- وہ ہمارے ساتھ پاٹھ شالہ میں پڑھے ہیں۔ ہمارے ہی گاؤں کے ہیں۔

پہلا پہرے دار:- (دوسرے پہرے دار سے) اگر یہ منتری جی کے گاؤں کے ہیں تو ہو سکتا ہے کوئی رشتہ دار ہوں۔

دوسرا پہرے دار:- بھیا! کیا نام ہے تمہارا؟

رامو:- میرا نام رامو ہے۔

پہلا پہرے دار:- اچھا رُکو، میں ابھی منتری جی کو خبر کرتا ہوں۔

(پہرے دار اندر جاتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد منتری اور اُس کی بیوی باہر آتے ہیں)۔

رادھے:- کون؟ رامو! میرا بچپن کا دوست۔ (رامو کو گلے سے لگا لیتا ہے)

رامو:- رادھے! ارے تم نے مجھے پہچان لیا۔ میں تو ڈر رہا تھا کہ تم مجھے پہچانو گے بھی نہیں۔

رادھے:- بچپن کی باتیں بھلا کوئی بھول سکتا ہے؟ اور تم تو ذرا بھی نہیں بدلے۔ تمہارے ماتھے پر چوٹ کا نشان اب بھی ویسا ہی ہے۔ آم توڑتے ہوئے میرا ڈھیلا تمہارے سر میں جو لگا تھا .... اور ....

رامو:- میرے سر سے خون نکلتا دیکھ کر تم گھبرا گئے تھے اور تم نے اپنا کرتا پھاڑ کر پٹی باندھی تھی۔

رادھے:- (اپنی بیوی سے) شیاما جی! اِن سے تو ملو۔ یہ میرے بچپن کے پیارے دوست رامو ہیں۔ ایسا لگتا ہے میرا بچپن واپس آگیا ہے۔

شیاما:- رامو بھیا اتنی دور سے آرہے ہیں، تھکے ہارے۔ کیا آپ یہیں کھڑے کھڑے باتیں کرتے رہیں گے؟

رادھے:- اوہو۔ میں تو بھول ہی گیا۔ رامو معاف کرنا۔ چلو اندر چلیں۔

(سب لوگ محل کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ رامو محل کی ایک ایک چیز کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے)

رادھے:- (رامو کی بغل میں دبی پوٹلی لے کر) اوہو! اس میں کیا ہے؟ بھابی نے تحفہ بھیجا ہے۔ ستو ہیں۔ بہت سوندھے ہوں گے۔ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔۔۔ اچھا رامو بھیا تم نہاؤ۔ کپڑے بدلو، کچھ کھاؤ پیو اور آرام کرو۔ میں ذرا دربار کی حاضری دے آؤں۔ پھر خوب باتیں ہوں گی۔

(نوکر رامو کے لیے اچھے کپڑے لاتے ہیں۔ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پیش کرتے ہیں۔ رامو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے۔۔)

رامو:- (اپنے آپ سے) میں تو یہاں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھا رہا ہوں لیکن میرے بیوی بچوں کو نہ جانے کتنے روز کا فاقہ ہوگا؟

تیسرا منظر

(رامو اور رادھے باتیں کر رہے ہیں)

رادھے:- رامو بھیا! کیا تم کچھ دن اور نہیں رکو گے؟

رامو:- رادھے بھیا اب مجھے یہاں رہتے ہوئے چھ مہینے بیت گئے۔ مجھے اب جانا ہی

چاہیے۔ بیوی اور بچے پریشان ہو رہے ہوں گے۔

رادھے :۔ دل تو نہیں چاہتا، لیکن تمہاری مرضی۔ مگر دیکھو جلد ہی پھر آنا اور اب کی بار بھابی اور بچوں کو بھی ضرور ساتھ لانا۔

رامو:۔ ہاں .... ضرور لاؤں گا۔

چوتھا منظر

(ایک خوبصورت حویلی کا دروازہ۔ دروازے پر چوکیدار کھڑا ہے۔ رامو آتا ہے)

رامو:۔ (حیرت سے حویلی کو دیکھ کر) یہ حویلی کس کی ہے؟ یہاں تو میری جھونپڑی ہوا کرتی تھی۔

چوکیدار:۔ یہ رامو کی حویلی ہے۔ تم کون ہو؟

رامو:۔ میرا نام رامو ہے .... مگر یہ حویلی!

چوکیدار:۔ تم اور رامو۔ جاؤ، جاؤ۔ اپنا کام کرو۔ اگر اتفاق سے تمہارا نام رامو ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ یہ حویلی تمہاری ہے۔ جاؤ، جاؤ اپنا راستہ ناپو۔

(رامو کی بیوی اور بچے دروازے پر دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ وہ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور خوش خوش نظر آتے ہیں)

رامو کی بیوی :۔ ارے ارے تم آ گئے!

رامو:۔ (آنکھیں ملتا ہے) میں خواب دیکھ رہا ہوں یا سچ مچ تم ہی ہو۔ وہ ہمارا جھونپڑا کیا ہوا؟ اور تمہارے پاس یہ زیور اور کپڑے کہاں سے آئے؟

رامو کی بیوی :۔ (ہنس کر) یہ سب تمہارے دوست رادھے کی مہربانی ہے۔

رامو:۔ رادھے منتری! .... مگر اس بھلے آدمی نے مجھے تو کچھ نہیں بتایا۔ میں جب تک وہاں رہا تم سب لوگوں کے لیے بہت پریشان رہا۔

رامو کی بیوی :۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ اگر رادھے تمہارا سچا دوست ہوگا تو تمہاری

صورت دیکھ کر ہی سب کچھ سمجھ جائے گا۔ سچا دوست کبھی احسان نہیں جتاتا۔

رامو:۔ اچھا تو میں اب سمجھا۔ رادھے نے مجھے شرمندگی سے بچانے کے لیے کچھ بھی نہیں جتایا۔
اگر سنسار میں سب ہی دوست ایسے ہوں تو سارے دکھ دور ہو جائیں....
شکریہ پیارے دوست.... تم سدا سکھی رہو....!

(پردہ گرتا ہے)

★

دُور کا دوست

کِردار

خالِد ـــــــــــــ سیر و سفر کا شوقین نوجوان۔

اعظم میاں ـــــــــــــ خالد کے اسکول کا ساتھی۔ ایک مالدار تاجر

زُلفی میاں ـــــــــــــ ایک غریب مزدور۔

ببّو اور ڈبّو: زُلفی کے بیٹے

اور

اعظم میاں کا نوکر وغیرہ۔

پہلا منظر

(رات کا وقت ہے۔ خالد ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے

ایک بوڑھا نوکر دروازہ کھولتا ہے)

نوکر:- (ذرا سخت لہجے میں) کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیا نام ہے؟

خالد:- میرا نام خالد ہے۔ اعظم میاں کا دوست ہوں۔ اعظم میاں کو اطلاع کردو!

(نوکر دروازہ بند کرکے چلا جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آتا ہے)

نوکر:- اعظم میاں کی طبیعت ناساز ہے۔ آپ سے وہ صبح ملیں گے۔ اندر آجائیے۔

(خالد اندر جاتا ہے۔ کُتّا اسے دیکھ کر غراتا ہے)

نوکر:- میاں! یہ کتّا ہر اجنبی کو دیکھ کر غراتا ہے۔ بھونکتا ہے۔ آپ ہرگز اِس سے نہ ڈریں۔

خالد:- نہیں بھئی۔ میں کُتّے کے کاٹنے سے نہیں ڈرتا ہوں، لیکن اِن کے کاٹنے کے بعد جو علاج ہوتا ہے اُس سے ڈرتا ہوں۔ بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

نوکر:- اعظم میاں کو کُتّے پالنے کا بہت شوق ہے۔ ایک سے ایک عُمدہ نسل کا کُتّا پال رکھا ہے۔ شکار میں بڑا ہی مزا آتا ہے۔ .... اچھا تو حضرت آپ اب آرام کریں۔ صبح آپ سے میاں کی ملاقات ہوگی۔

خالد:- بھئی .... ذرا ایک گلاس پانی ....

نوکر:- میاں رات کو پانی پینے سے زُکام ہو جاتا ہے۔ مجھے آپ کی آواز بھی بھاری لگ رہی ہے۔ اگر آپ کی طبیعت خراب ہوگئی تو اعظم میاں مجھے بُرا بھلا کہیں گے۔ سردی بہت ہو رہی ہے بس لیٹ جائیے اوڑھ لپیٹ کر۔ صبح گرم گرم چائے پلاؤں گا .... خدا حافظ (نوکر چلا جاتا ہے)

خالد:- سبحان اللہ .... کھانا تو درکنار یہاں تو پانی بھی میسّر نہیں۔ بن بلائے مہمان کے ساتھ شاید یہی سلوک ہوتا ہے۔ رات تو کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جائے گی۔ مگر بھوک کے مارے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔

دوسرا منظر

(صبح کا وقت ہے۔ خالد کے سامنے چائے کے برتن رکھے ہیں۔ وہ ناشتہ کر چکا ہے۔ اعظم میاں کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ لانبا قد۔ گورا رنگ اور ہاتھ میں نفیس سی چھڑی ہے)

اعظم میاں:۔ ہلو! خالد صاحب..... السلام علیکم.... صبح بخیر!

خالد:۔ (کرسی سے اٹھ کر مصافحہ کرتا ہے) وعلیکم..... السلام... اعظم میاں....

اعظم میاں:۔ بھئی معاف کرنا۔ میری طبیعت کئی روز سے خراب ہے.... ہاں یہ بتاؤ رات کو تم آرام سے سوتے ہو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔

خالد:۔ نہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ نوکر نے بڑا خیال رکھا۔ لیکن مجھے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تم نے مجھے پہچان لیا....

اعظم میاں:۔ ہاں ہم لوگوں کو ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے دس سال ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم بغیر اطلاع دیے ایک دم کیسے نازل ہو گئے۔ کیا گھر والوں سے ناراض ہو کر یہاں آئے ہو؟ اور.... ہاں تمہارا سامان کہاں ہے؟

خالد:۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ میں سیر سپاٹے کا شوقین ہوں۔ میں سمندری جہاز کے ذریعہ اپنے دیس کی سیر کو نکلا تھا۔ تمہارے شہر کی بندرگاہ پر جہاز آن کر خراب ہو گیا۔ جہاز کے کپتان نے بتایا کہ جہاز کے ٹھیک ہونے میں ابھی ایک ہفتہ لگے گا۔ میں ساحلی علاقے میں سیر کرنے نکل گیا، اور جب چوتھے روز وہاں واپس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جہاز وہاں نہیں ہے۔ وہ تیسرے دن ہی ٹھیک ہو کر روانہ ہو گیا تھا۔ میرا سارا سامان، روپیہ پیسہ سب کچھ جہاز میں رہ گیا۔ اس وقت مجھے تمہارا خیال آیا کہ چل کر تم سے مدد لوں۔

یہ ہے میری رام کہانی ....!

اعظم میاں :۔ افسوس! یہ تو واقعی بُرا ہوا۔ تمہارا بڑا ہی نقصان ہوا۔ مگر یہ اپنی غلطی کی سزا تم کو ملی۔ تم کو جہاز چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔

خالد :۔ ہاں اعظم میاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے میری غلطی کی سزا مل گئی۔ نقصان ہوا اور پریشانی بھی اُٹھائی ....

اعظم میاں :۔ مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے۔

خالد :۔ مصیبت کے وقت دوست ہی کام آتے ہیں۔ تم مجھے اتنی رقم اُدھار دیدو کہ میں گھر واپس پہنچ جاؤں۔ گھر پہنچتے ہی بھیج دوں گا۔

اعظم میاں :۔ .... بھئی خالد میاں بُرا مت ماننا۔ تم نے وہ مثل ضرور سُنی ہوگی کہ قرض محبت کی قینچی ہے۔ میرے والد مرحوم نے مجھے وصیت کی تھی کہ دوستوں کو قرض دے کر دُشمن نہ بنانا۔ میں بعض اُصولوں پر سختی سے عمل کرتا ہوں اس لیے قرض نہیں دے سکتا ...

خالد :۔ اچھا تو پھر اتنا ہی کرو کہ اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا ہی دیدو۔ حالانکہ مجھے اس طرح اپنے گھر پہنچنے میں دیر لگے گی اور پریشانی بھی بہت ہوگی ....

اعظم میاں :۔ مگر تمہارے پاس اپنے کھانے کو کچھ نہیں ہے تم گھوڑے کو کہاں سے کھلاؤ گے؟ .... میرے ذہن میں ایک اچھی ترکیب آئی ہے۔ یعنی ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آئے ....

خالد :۔ اچھا! کیا ہے وہ ترکیب، میں بھی سُنوں!

اعظم میاں :۔ (کونے میں رکھا ہوا ڈنڈا اُٹھاتا ہے) دیکھو یہ ڈنڈا بہت مضبوط ہے۔ اس سے تم گھوڑے کا کام بھی لے سکتے ہو۔ یہ تمہاری حفاظت بھی کر سکتا ہے۔ تم چوروں اور لٹیروں سے نپٹ سکتے ہو۔ اور یہ تم سے کھانے پینے کو بھی کچھ

نہیں مانگے گا۔۔۔ بے ناسستانسنو! (ڈنڈا خالد کو تھما دیتا ہے۔)
اچھا مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔۔۔۔ چلوں گا۔۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔ ہاں، گھر پہنچ کر خط لکھنا مت بھولنا۔۔۔۔! (چلا جاتا ہے)

خالد:۔ (ڈنڈا گھماکر) اور نامعقول دوست کے سر پر بھی لڑا جا سکتا ہے۔۔۔۔ ہوں۔۔۔ کتوں کے ساتھ رہتے رہتے جانور بن گیا ہے۔۔۔۔ کنجوس کہیں کا!

تیسرا منظر

(سڑک پر لوگ اِدھر اُدھر آجا رہے ہیں۔ خالد ایک طرف کھڑا ہے۔ ایک اجنبی سے مخاطب ہوتا ہے۔)

خالد:۔ میاں ذرا سُننا۔۔۔۔ یہاں کہیں قریب میں کوئی مسافر خانہ یا سرائے ہے؟

اجنبی:۔ جناب میرا نام زُلفی ہے۔ آپ کس سرائے کو پوچھ رہے ہیں۔ یہ دنیا خود ایک سرائے ہے۔ مجھے آپ صورت سے پردیسی لگتے ہیں۔

خالد:۔ ہاں زُلفی میاں۔ میں پردیسی ہوں۔ آپ دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

زُلفی:۔ آپ پریشان سے لگتے ہیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ میرا جھونپڑا حاضر ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو پھر میرے گھر چلیں۔

خالد:۔ شکریہ زُلفی میاں! میں اس شہر میں اجنبی ہوں اور مصیبت کا مارا۔ ایک دوست کے پاس گیا تھا لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ ہر دوست، دوست نہیں ہوتا۔ وہ جو اعظم میاں ہیں۔۔۔۔

زُلفی:۔ بس رہنے دیجیے۔ وہ تو اپنی کنجوسی کے لیے سارے شہر میں مشہور ہیں۔ اب آپ میرے ساتھ میرے غریب خانے پر چلیے۔ وہیں پر باتیں ہوں گی۔

خالد:۔ ضرور چلوں گا۔ آپ تو میرے لیے فرشتۂ رحمت بن کر آئے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

زُلفی:- خوب کہا ہے.... میں غریب آدمی ہوں۔ میری مہمان نوازی کیا۔ جو دال دلیا ہوگا حاضر کر دوں گا۔ اچھا تو چلیے۔

چوتھا منظر

(زُلفی کا مکان۔ ایک کمرے میں ایک طرف چارپائی بچھی ہے۔ قریب ہی ایک بورے پر دو بچے بیٹھے ہیں وہ سبق پڑھ رہے ہیں۔ چارپائی پر زُلفی اور خالد بیٹھے ہیں)

خالد:- زُلفی میاں۔ اب مجھے یہاں رہتے ہوئے مہینہ بیت گیا ہے۔ خوب آرام کر چکا ہوں۔ میری ماں نے سفر خرچ بھی بھیج دیا ہے۔ اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

زُلفی:- خالد بھائی۔ آپ کو اجازت دینے کو طبیعت نہیں چاہتی۔ بچے بھی آپ سے مانوس ہو گئے ہیں۔

خالد:- آپ سب کی محبت کی بدولت پردیس بھی اپنا ہی گھر معلوم ہوا۔ میری بوڑھی ماں پریشان ہو رہی ہے۔ ورنہ کچھ دن اور رُکتا۔

پپّو میاں:- چاچا خالد تو کیا آپ سچ مچ چلے جائیں گے؟

ڈبّو میاں:- چاچا۔ پھر ہمیں سمندری پریوں کی کہانیاں کون سنایا کرے گا؟

خالد:- میں گھر پہنچ کر ڈبّو میاں اور پپّو میاں دونوں کے لیے ڈھیر ساری کہانیوں کی کتابیں بھیجوں گا۔ (دونوں بچے خوشی سے تالیاں بجاتے ہیں) مگر تُم لوگ خوب دل لگا کر پڑھنا اور کلاس میں سب سے زیادہ نمبر لانے کی کوشش کرنا۔ (بچوں کے سر کو چُومتا ہے) پیارے بچو! تم نے میری اُداسی کے

دنوں میں میرا دل بہلایا۔ تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ میں اپنا سفرنامہ لکھوں گا، اس میں تمہارا ذکر شاندار لفظوں میں ہوگا۔ اور اُس بے وفا، خود غرض دوست کا بھی بیان ہوگا جس نے 'دوستی' کو بدنام کیا۔

زُلفی:- خالد میاں! ہم غریب آدمی ہیں۔ آپ کی خاطر تواضع نہیں کر سکے۔ معاف کرنا۔

خالد:- ارے زُلفی بھائی! یہ تُم کیا کہہ رہے ہو۔ تمہارا دل سخی ہے۔ تُم اُن امیروں سے لاکھ درجے اچھے ہو جن کے پاس بے شمار دولت ہے لیکن دل کے کنجوس ہیں۔ تم نے ایک اجنبی مسافر کی جو مدد کی ہے اُس کا بدلہ میں کبھی نہیں چُکا سکتا... اچھا خدا حافظ!

(جاتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

★

سخی حاتم

کردار

بادشاہ سلامت، وزیرِ اعظم، حاتم، لکڑہارا، اور اس کی بیوی،
ڈھنڈورچی اور سپاہی وغیرہ۔

پہلا منظر

(بازار کا منظر، آدمی ادھر اُدھر آجا رہے ہیں۔ ڈھنڈورچی ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔
ڈم ڈم .... ڈم ڈم .... ڈم ڈم .... بہت سارے لوگ اکٹھا ہو جاتے ہیں)

ڈھنڈورچی: (اونچی آواز میں)
"ملک خدا کا، حکومت بادشاہ کی، بادشاہ سلامت کا اعلان۔ جو بھی حاتم کو پکڑ کر لائے گا، پانچ ہزار اشرفیاں انعام میں پائے گا۔ ڈم ڈم... ڈم ڈم... ڈم ڈم"

ایک آدمی:- ارے! حاتم تو بے چارا بہت ہی رحم دل اور غریبوں کی مدد کرنے والا آدمی ہے۔ بھلا بادشاہ اُس سے کیوں ناراض ہوگیا؟ کیا خطا ہوئی حاتم سے؟

دوسرا آدمی:- ارے میاں بادشاہ کا کیا ہے۔ ذراسی بات میں خوش ہو جاتے تو انعام میں لاکھوں بخش دے اور اگر ناخوش ہو جائے تو سولی پر لٹکوا دے۔

تیسرا آدمی:- کسی نے بے چارے حاتم کی چغلی کھائی ہوگی۔ جھوٹی سچی لگائی ہوگی۔

چوتھا آدمی:- ایسے نیک اور سخی حاتم کو کون پکڑائے گا۔ کون یہ گناہ اپنے سر لے گا؟

پہلا آدمی:- ارے میاں لالچ بڑی بُری بلا ہے۔ بہت سارے لوگ پانچ ہزار اشرفیوں کے لالچ میں بے چارے حاتم کو پکڑوانے میں دیر نہیں کریں گے۔

ایک راہگیر:- (دوسرے سے) ارے یار چلو حاتم کو تلاش کرنے چلو، اگر مل گیا تو اپنا کام بن جائیگا۔

دوسرا راہگیر:- ہاں ہاں چلو۔ ہم دونوں مل کر پکڑیں گے اور آدھا آدھا انعام بانٹ لیں گے۔

دوسرا منظر

(جنگل میں ایک بوڑھا اور بڑھیا لکڑیاں چن رہے ہیں۔ بوڑھا بار بار کھانستا ہے۔ قریب ہی ایک پیڑ کے پیچھے حاتم چھپا ہوا ہے۔)

بڑھیا:- بھلا ہماری زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ صبح سے شام تک جنگل میں مارے مارے پھرتے ہیں پھر بھی دو وقت کی روٹیاں میسر نہیں آتیں۔

بوڑھا:- مالک کا شکر ادا کرو۔ ہماری قسمت میں جو رزق لکھا ہے وہ مل جاتا ہے اور ہم کسی کے آگے ہاتھ تو نہیں پھیلاتے ہیں۔

بڑھیا:- کاش حاتم ہمارے ہاتھ آجائے، تو ہمارے بھی دن پھر جائیں۔

بوڑھا:- (ہنستا ہے) شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ کہاں ہم اور کہاں حاتم؟ وہ ایسا بیوقوف نہیں ہے کہ اتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ آجائے۔ ہاں کسی دن کوئی درندہ آئے گا اور ہمیں کھا جائے گا۔

حاتم:- (پیڑ کے پیچھے سے نکل کر) بڑے میاں تم کو حاتم کی تلاش ہے۔ لو، خوش ہو جاؤ میرا ہی نام حاتم ہے۔ میرے ہاتھ پاؤں رسّیوں سے باندھ لو اور بادشاہ کے پاس لے چلو۔

بوڑھا:- ارے میاں کیوں ہم غریبوں سے مذاق کرتے ہو۔ جاؤ! اپنا کام کرو شاید تم بھی حاتم کی تلاش میں نکلے ہو۔

حاتم:- (قریب جاتا ہے) نہیں بڑے میاں، میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ میں ہی حاتم ہوں۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بادشاہ کے پاس لے چلو۔ تمہاری معیبت کے دن اب ختم ہو گئے۔ چلو اُٹھو! دیر مت کرو۔

بوڑھا:- اگر تم واقعی حاتم ہو تب بھی میں تم جیسے نیک اور رحم دل انسان کو معیبت میں ڈال کر انعام نہیں لوں گا۔

بڑھیا:- بیٹا خدا تمہیں سلامت رکھے۔ ہم غریب ضرور ہیں لیکن لالچی نہیں۔ تم یہیں چھپے رہو۔ ہم تم کو روکھی سوکھی روٹی لا دیا کریں گے۔

بوڑھا:- کیا عجب جو خدا بادشاہ کا دل پھیر دے۔ ہماری غریبی پر ترس کھا کر تم اپنی قیمتی جان نہ گنواؤ۔

حاتم:- نہیں نہیں! میری جان کی قیمت پانچ ہزار اشرفیاں بہت ہیں۔ اگر کسی کو میری گرفتاری سے فائدہ پہنچ جائے تو کیا حرج ہے۔ چلو مجھے لے چلو بادشاہ کے پاس۔

بوڑھا:- نا بھئی حاتم میاں۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں تم کو گرفتار نہیں کرا سکتا۔ لعنت ہے پانچ ہزار اشرفیوں پر۔

حاتم:- اچھا۔ اگر تم مجھے نہیں لے چلو گے تو میں خود جا کر بادشاہ سے کہہ دوں گا کہ تم نے مجھے اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا۔

بوڑھا۔ واہ میاں واہ! نیکی کا بدلہ بدی۔ اب میں کیا کروں؟ میاں حاتم خدا کے لیے ہمیں معاف کردو۔ جاؤ!

حاتم:۔ جلدی سے میرے ہاتھ پاؤں باندھ دو۔ دیر نہ کرو۔

(اسی وقت چند آدمی حاتم کی تلاش میں آ نکلتے ہیں اور حاتم کو پہچان لیتے ہیں۔)

پہلا آدمی:۔ پکڑو! یہی ہے حاتم۔

دوسرا:۔ میں نے اسے ڈھونڈا ہے۔

تیسرا:۔ میں تو اس کی گھات میں کئی روز سے تھا۔

چوتھا:۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی حاتم کو ہاتھ نہ لگاتے۔ میں نے اس کی تلاش میں سارا جنگل چھان مارا ہے تب جاکر ہاتھ لگا ہے۔

(وہ سب ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہیں۔)

تیسرا منظر

(بادشاہ کا دربار۔ بادشاہ تخت پر بیٹھا ہے۔ سامنے حاتم کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ رسیوں سے بندھے ہوتے ہیں۔)

بادشاہ سلامت:۔ کابدولت بہت خوش ہیں کہ حاتم کو گرفتار کر کے آج ہمارے حضور میں لایا گیا۔ ہم نے سُنا ہے کہ میرے ملک کے لوگ خدا کے بعد حاتم کے گُن گاتے ہیں اور کابدولت سے زیادہ حاتم کی عزت کرتے ہیں۔ حاتم کو گرفتار کرنے والا بہادر کون ہے؟ ہم اُس کو انعام دیں گے۔

ایک آدمی:۔ (مجمع میں سے نکلتا ہے۔ زمین کو چومتا ہے) جہاں پناہ! میں نے ہی حاتم کو پکڑا ہے۔

دوسرا آدمی:۔ نہیں جہاں پناہ۔ حاتم کو تو میں نے پکڑا ہے۔

تیسرا آدمی:۔ جہاں پناہ! یہ سب جھوٹ بکتے ہیں۔ میں شہر کا سب سے بڑا پہلوان ہوں۔ میں نے حاتم کو بڑی مشکل سے قابو میں کیا ہے۔

(کئی آوازیں) نہیں! نہیں! یہ جھوٹ ہے۔ حاتم کو میں نے پکڑا ہے۔

وزیرِ اعظم:۔ خاموش! خاموش! یہ شاہی دربار ہے مچھلی بازار نہیں۔

بادشاہ سلامت:۔ وزیرِ اعظم! یہ تو عجیب ماجرا ہے۔ یہاں تو ہر آدمی دعوٰی کر رہا ہے کہ حاتم کو اُس نے گرفتار کیا ہے۔ انعام کس کو دیا جائے؟

وزیرِ اعظم:۔ جہاں پناہ! حاتم ہی سے کیوں نہ پوچھا جائے کہ سچ کیا ہے؟

بادشاہ سلامت:۔ حاتم! تم ہی بتاؤ کہ انعام کسے ملنا چاہیے؟

حاتم:۔ حضور والا! مجھے تو ایک بوڑھے لکڑہارے نے پکڑا ہے۔ انعام اُسی کو ملنا چاہیے۔

بادشاہ سلامت:۔ کہاں ہے وہ بوڑھا؟

بوڑھا:۔ (آگے بڑھتا ہے۔ وہ رو رہا ہے) حضور! حاتم کو میں نے نہیں پکڑا بلکہ میری غریبی پر ترس کھا کر اس نے اپنے آپ کو میرے حوالے کیا ہے۔ مجھے انعام دلوانے کے لیے ....."

حاتم:۔ نہیں، جہاں پناہ! اسی نے مجھے گرفتار کیا ہے۔

بوڑھا:۔ حضور! حاتم نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں اسے بادشاہ سلامت کے سامنے نہیں لے جاؤں گا تو وہ خود جا کر کہہ دے گا کہ بوڑھے نے اسے اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا..... باقی یہ سب دعویدار بالکل جھوٹے ہیں۔ راستے میں ساتھ ہو لیے تھے۔

حاتم:۔ جہاں پناہ! آپ بوڑھے کی باتوں میں ہرگز نہ آئیں۔ انعام اُسی کو ملنا چاہیے۔

بوڑھا۔ حضور میں قسم کھاتا ہوں۔ حاتم کو میں نے نہیں پکڑا ہے۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔ میں بوڑھا اور کمزور آدمی ہوں بھلا حاتم جیسے بہادر آدمی کو کیسے پکڑ سکتا ہوں؟

بادشاہ سلامت ۔ (تعجب سے وزیرِ اعظم کو دیکھتا ہے) میاں حاتم! میں نے تم کو غلط سمجھا تھا۔ تم میری ساری رعایا میں سب سے زیادہ سخی ہو۔ مجھے فخر ہے کہ میری سلطنت میں تم جیسا نیک اور رحمدل آدمی بستا ہے۔ میں اپنا حکم واپس لیتا ہوں۔

(حکم دیتا ہے)

حاتم کو آزاد کیا جائے اور حاتم کا مال اور جائیداد جو ضبط کر لی گئی ہے واپس کر دی جائے .... اور ان کم بخت جھوٹے دعویداروں کے سروں پر پانچ پانچ سو جوتیاں لگائی جائیں .... اور میاں لکڑہارے کو پانچ ہزار اشرفیاں انعام میں دی جائیں۔

(حاتم کورنش بجالاتا ہے۔ لکڑہارا زمین چومتا ہے۔)

(پردہ گرتا ہے)